Surah Nisa (Ayat 155-165)

Fi Zilal Al Quran:

155: فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَ كُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

ہم نے ان سے کہا کہ اللہ کا قانون نہ توڑو اور اس پر ان سے پختہ عہد لیا۔ آخر کار ان کی عہد شکنی کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ انھوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور متعدد پیغمبروں کو ناحق قتل کیا' اور یہاں تک کہا کہ ہمارے دل غلافوں میں محفوظ ہیں حالانکہ در حقیقت ان کی باطل پرستی کے سبب سے اللہ نے ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا ہے اور اسی وجہ سے یہ بہت کم ایمان لاتے ہیں۔

(آخر کار ان کی عہد شکنی کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ انھوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور متعدد پیغمبروں کو ناحق قتل کیا' اور یہاں تک کہا کہ ہمارے دل غلافوں میں محفوظ ہیں)۔۔ان کی اس بات پر کہ ہمارے دل غلافوں میں محفوظ ہیں۔ (قلوبنا غلف (۴ : ۱۵۵) ان پر تنقید ختم ہوتی ہے اور اگلی آیت میں ان کی اس بات کا جواب دیا جاتا ہے۔ وہ یہ بات اس وقت کہتے تھے جب حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان پر دعوت اسلامی پیش کرتے۔ یہ لوگ یہ جواب یا تو اس لیے دیتے تھے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان سے مایوس ہو جائیں اور آئندہ ان پر دعوت پیش نہ کریں اور یا وہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جانب سے تبلیغ پر آپ کے ساتھ بطور مزاح یہ بات کرتے تھے اور آپ کی دعوت کو رد کر کے گویا وہ بڑے لوگ بننے کی کوشش کرتے تھے کہ ہم تو ان باتوں پر کان ہی نہیں دھرتے۔ یہ دونوں باتیں ہی ان کے پیش نظر ہو سکتی ہیں' بہر حال اللہ کا جواب یوں آتا ہے۔

(آیت) "بل طبع اللہ علیھا بکفرھم فلا یومنون الا قلیلا"۔ (۴ : ۱۵۵) (حالانکہ در حقیقت ان کی باطل پرستی کے سبب سے اللہ نے ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا ہے اور اسی وجہ سے یہ بہت کم ایمان لاتے ہیں۔۔) مطلب یہ ہے کہ ان کے دل ملفوف نہیں ہیں' بلکہ وہ دعوت اسلامی کا انکار اس لیے کر رہے ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا ہے۔ یہ ٹھپہ بھی ان کے دلوں پر اس لیے لگایا گیا ہے کہ انھوں نے کفر کو اپنا شیوہ بنا لیا ہے اس لیے ان کے دل سخت ہو گئے ہیں' وہ جمادات کی طرح ہو گئے ہیں' اور کفر کے نیچے دب گئے ہیں۔ انھوں ایمان کی تروتازگی کا کوئی احساس ہی نہیں ہوتا' ان کے اندر ایمان کی مٹھاس کی حس ہی نہیں رہی ہے۔ اس لیے شاذ و نادر رہی یہ ایمان قبول کرتے ہیں۔ یہ شاذ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مذکورہ بالا افعال بد کا ارتکاب نہ کیا تھا' اسی لیے ان کے دلوں پر مہر نہیں لگائی گئی تھی۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنے دلوں کے دروازوں کو قبول

حق کیلئے کھلا رکھا اور حق کو قبول کر کے عزت دار بن گئے۔ ان کو اللہ نے ہدایت دی اور ایمان نصیب کیا۔ یہودیوں میں سے ایسے لوگ بہت ہی کم تھے بلکہ کم سے کم' مثلاً عبداللہ بن سلام' ثعلبہ ابن معیہ' اسد ابن محیہ اور اسد ابن عبید اللہ (رض) اجمعین۔

اس تنقید اور استدراک کے بعد' اللہ تعالیٰ ان اسباب کو گنواتے ہیں جن کی وجہ سے یہ یہودی اس سلوک کے مستحق ہوئے جو ان کے ساتھ کیا گیا۔ دنیا میں ان پر بعض نہایت ہی پاک چیزوں کو حرام حرام قرار دے دیا گیا' آخرت میں ان کیلئے آگ کا عذاب تیار کیا گیا تاکہ وہ آخرت اور قیامت آنے سے پہلے ہی اس کا انتظار کریں۔

156: وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۝

پھر اپنے کفر میں یہ اتنے بڑھے کہ مریم پر سخت بہتان لگایا

(آیت) "وبکفرھم وقولھم علی مریم بھتانا عظیما (۱۵۶) وقولھم انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ"۔ (۱۵۷) (۴: ۱۵۶۔۱۵۷) (پھر اپنے کفر میں یہ اتنے بڑھے کہ مریم پر سخت بہتان لگایا' اور خود کہا کہ ہم نے مسیح' عیسیٰ (علیہ السلام) ابن مریم' رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے)۔۔ جب بھی ان کے برے افعال میں سے کسی بات کا ذکر کیا جاتا ہے قرآن کریم ان کی صفت کفر کو ضرور ساتھ لاتا ہے۔ قتل انبیاء ذکر کے وقت بھی یہ صفت دہرائی گئی کہ انھوں نے انبیاء کو ناحق قتل کیا' انبیاء کا قتل جب بھی ہوا ناحق ہی ہوا۔ ناحق کا لفظ بطور حقیقت واقعہ لایا گیا ہے۔ اسی طرح جہاں اس بات کا ذکر ہوا کہ انھوں نے حضرت مریم (علیہ السلام) پر عظیم بہتان باندھا وہاں بھی اس صفت کا ذکر ہوا۔ مریم پر انھوں نے جو بہتان باندھا اس کے قائل صرف یہودی تھے۔ انھوں نے مریم پر یوسف نجار کے ساتھ زنا کرنے کا الزام باندھا (ان پر خدا کا غضب ہو!) اس کے بعد " انھوں نے یہ ڈینگ ماری کہ انھوں نے حضرت مسیح کو سولی پر چڑھایا اور طنز! یہ کہا کہ "انھوں نے مسیح ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے۔

یہاں تک آکر سیاق کلام ایک بار پھر رک جاتا ہے اور ان کے اس دعوے کی لگے ہاتھوں تردید کر دی جاتی ہے۔ اور سچائی کو ثابت اور مستحکم کر دیا جاتا ہے۔

157: وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًۢا ۝

اور خود کہا کہ ہم نے مسیح' عیسیٰ (علیہ السلام) ابن مریم' رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے حالانکہ فی الواقع انھوں نے نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کیلئے مشتبہ کر دیا گیا اور جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں۔ ان کے پاس اس معاملے میں کوئی علم نہیں ہے۔ محض گمان ہی کی پیروی ہے۔ انھوں نے مسیح کو یقینا قتل نہیں کیا۔

(آیت) "وقولھم انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم، وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ، مالھم بہ من علم الا اتباع الظن، وما قتلوہ یقینا"۔ (۱۵۷) بل رفعہ اللہ الیہ، وکان اللہ عزیزا حکیما (۱۵۸) (۴: ۱۵۷۔۱۵۸) (حالانکہ فی الواقع انھوں نے نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کیلئے مشتبہ کر دیا گیا اور جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں۔ ان کے پاس اس معاملے میں کوئی علم نہیں ہے۔ محض گمان ہی کی پیروی ہے۔ انھوں نے مسیح کو یقینا قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا' اللہ زبردست طاقت رکھنے والا اور حکیم ہے)۔۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے قتل کے معاملے میں اہل یہود سخت خبط میں پڑے ہوئے تھے اور خود عیسائیوں کو بھی اس بارے میں سخت غلط فہمی لاحق تھی۔ یہودی یہ کہتے تھے "ہم نے عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ" کو قتل کر دیا ہے۔ لفظ رسول اللہ وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے لیے بطور مزاح استعمال کرتے تھے۔ اور عیسائیوں کا کہنا یہ تھا "انھیں سولی پر چڑھایا گیا اور دفن کر دیا گیا لیکن تین دنوں کے بعد آپ دوبارہ اٹھ گئے۔" اور ان کی تاریخ حضرت مسیح کی ولادت اور وفات سے اس طرح خاموش ہے کہ شاید اس واقعہ کی کوئی اہمیت ہی نہ تھی۔ ان دونوں فریقوں نے اس عظیم واقعہ کے بارے میں وثوق کے ساتھ کوئی بات نہیں کہی تھی۔ اس لیے کہ یہ واقعات بہت ہی تیزی سے وقوع پذیر ہوتے رہے اور نظروں سے اوجھل ہوتے رہے۔ مختلف روایات پھیلتی رہیں اور سچ اور جھوٹ ایک دوسرے کے ساتھ گڈمڈ ہوگئے۔ کوئی بات یقین کے ساتھ کوئی نہ کہہ سکتا تھا' نہ کسی نے کہی' لہٰذا صرف وہی بات یقینی ہے جو اللہ رب العالمین نے فرمائی

۔

جن چار مروجہ اناجیل کے اندر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی گرفتاری کا قصہ بیان ہوا ہے' آپ کی موت اور سولی پر چڑھانے کا جو قصہ اور پھر دفن کرنے اور پھر اٹھنے کا جو قصہ بیان ہوا ہے' یہ تمام واقعات حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے اٹھائے جانے کے بہت ہی بعد کے ادوار میں لکھے گئے ہیں۔ اس دور میں حضرت مسیح کے شاگردوں پر مظالم ہوتے رہے اور دین مسیح کو دبایا جاتا رہا۔ اس خوف' رازداری اور تشدد اور جلاوطنی کی فضا میں یہ بات نہایت ہی مشکل تھی کہ کوئی صحیح اور تحقیقی بات لکھی جاسکے۔ اس دور میں بیشمار انجیلیں لکھی گئیں۔ جبکہ ۲۰۰ء کے آخر میں جاکر ان میں سے ان مروجہ چار کو منتخب کیا گیا۔ ان کو سرکاری اناجیل قرار دیا گیا۔ اور ان کو سرکاری اناجیل قرار دینے کے بھی بعض خاص مقاصد تھے اور شک وشبہ سے بالاتر نہ تھے۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بعد جو اناجیل تحریر ہوئیں ان میں سے ایک انجیل برناباس بھی تھی۔ یہ انجیل ان چار منتخب اور تسلیم شدہ اناجیل سے مختلف تھی، حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے اٹھائے جانے کے واقعہ کے بارے میں یہ انجیل کہتی ہے۔

جب سپاہی یہوداہ کے ساتھ اس جگہ پہنچے' جہاں یسوع تھا' تو مسیح نے جم غفیر کو پاس آتے سنا اور وہ گھر کے ایک گوشے میں ڈر کر سمٹ گیا' " گیارہ شاگرد (بدستور) سو رہے تھے' جب خدائے تعالیٰ نے دیکھا کہ اس کا بندہ (یسوع) خطرے میں ہے تو اس نے اپنے فرشتوں' جبرائیل' میخائیل' رفائیل اور اوریل کو حکم دیا کہ وہ یسوع کو دنیا سے نکال لائیں' پاکیزہ فرشتے آئے اور وہ یسوع کو اس کھڑکی سے' جس کا رخ جنوب کی طرف تھا' نکال کر اور اٹھا کر لے گئے اور اسے تیسرے آسمان میں ان فرشتوں کی صحبت میں لے جا کر رکھ دیا' جو تا ابد اللہ کی تسبیح کرتے ہیں' یہوداہ وقت کے ساتھ اسی کھڑکی سے گھر میں داخل ہوا' جس سے یسوع کو اٹھا لیا گیا تھا مسیح کے شاگرد سب کے سب (اب بھی) سو رہے تھے' اب عجیب و غریب خدا نے ایک عجیب و غریب کام کیا اور وہ یہ کہ یہوداہ کی بولی اور اس کا چہرہ دونوں بدل گئے اور وہ یسوع کی طرح ہو گیا یہاں تک کہ ہمیں یقین ہو گیا کہ وہی یسوع ہے۔ یہوداہ ہمیں جگانے کے بعد ڈھونڈنے لگا تاکہ معلوم کرے کہ "استاد" (یسوع) کہاں ہے' ہمیں اس پر حیرت ہوئی اور ہم ' نے اس سے کہا: اے ہمارے آقا! تو ہی تو ہمارا استاد ہے' کیا تو نے ہمیں اس وقت بھلا دیا ہے۔؛۔

غرض عیسائیوں کے پاس موجودہ ریکارڈ سے کوئی ایسا شخص جو اس معاملے میں تحقیق کرنا چاہے کوئی قابل یقین اور پختہ بات نہیں پاتا اس لیے کہ یہ واقعہ صبح صادق سے پہلے رات کی تاریکی میں پیش آیا تھا۔ بعد میں آنے والے لوگوں نے جو دلائل پیش کئے وہ روایت در روایت پر مبنی تھے۔ قرآن کریم اس بارے میں کہتا ہے۔

(آیت) "وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ، مالھم بہ من علم الا اتباع الظن، وما قتلوہ یقینا (۱۵۷) بل رفعہ اللہ الیہ، وکان اللہ عزیزا حکیما (۱۵۸) (۴: ۱۵۷۔۱۵۸) (اور جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں۔ ان کے پاس اس معاملے میں کوئی علم نہیں ہے۔ محض گمان ہی کی پیروی ہے۔ انھوں نے مسیح کو یقینا قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا' اللہ زبردست طاقت رکھنے والا اور حکیم ہے)

اور اس سے قبل قرآن کریم نے فیصلہ کن انداز میں فرمایا: (آیت) "وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم"۔ (۴: ۱۵۷) (حالانکہ انھوں نے نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کیلئے مشتبہ کر دیا گیا۔)

قرآن کریم یہاں رفع عیسیٰ (علیہ السلام) کی تفصیلات نہیں دیتا کہ آیا یہ رفع جسمانی تھا یا روحانی تھا۔ بحالت حیات تھا' یا فقط روحانی بعد الوفات تھا اور یہ کہ یہ توفی کب واقعہ ہوئی اور کہاں ہوئی لیکن قرآن یہ کہتا ہے کہ انھوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ ہی اسے سولی پر چڑھایا۔ یہ قتل اور سولی پر چڑھانے کا فعل اس شخص کے ساتھ ہوا جس کے بارے میں انھیں اشتباہ میں ڈالدیا گیا تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) ہیں۔ اس کے سوا

قرآن کریم یہاں مزید کچھ تفصیل نہیں بتاتا۔ البتہ دوسری سورۃ (سورۃ آل عمران) میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ (آیت) " (یا عیسی انی متوفیک ورافعک الی) (اے عیسیٰ میں تجھے واپس لے لوں گا اور تجھ کو اپنی طرف اٹھالوں گا) اس آیت میں بھی اٹھائے جانے اور واپس لے لینے (وفات) کی تفصیلات نہیں دی گئیں نہ اس توفی کا وقت دیا گیا ہے اور نہ ہی "توفی" کی نوعیت بتائی گئی ہے۔ ظلال القرآن میں ہم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے ہم بھی اس میں قرآن کریم کے سائے میں رہتے ہوئے تفصیلات میں نہیں جاتے اس لیے کیفیت توفی پر ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ نہ اب تفصیلات کیلئے کوئی سبیل ہے۔ محض اقاویل واساطیر نقل کرنے کا فائدہ ہی کیا ہوگا۔

اب ہم واپس اصل موضوع کی طرف آتے ہیں اور قرآن کریم نے اہل کتاب پر جو استدراک کیا ہے اس کی طرف لوٹتے ہیں۔

158: بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○

بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا' اللہ زبردست طاقت رکھنے والا اور حکیم ہے

159: وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۝

اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لے آئے گا اور قیامت کے روز وہ ان پر گواہی دے گا

(آیت) "وان من اھل الکتب الا لیومنن بہ قبل موتہ، ویوم القیمۃ یکون علیھم شیھدا، (۴ : ۱۵۹) (اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لے آئے گا اور قیامت کے روز وہ ان پر گواہی دے گا۔۔) اس آیت کے مفہوم میں سلف صالحین کے اندر اختلاف رائے رہا ہے۔ اس اختلاف کے پیدا ہونے کی وجہ یہ رہی ہے کہ "موتہ" میں جو ضمیر ہے اس کے مرجع میں اختلاف ہوا ہے اگر اس کا مرجع حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) ہوں تو مفہوم یہ ہوگا کہ اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی موت سے قبل حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) ایمان نہ لائے گا۔ اس صورت میں یہ حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا نزول ہوگا۔۔ دوسری تعبیر کے مطابق "موتہ" کی ضمیر کا مرجع اہل کتاب ہیں۔ یعنی یہ کہ اہل کتاب میں سے ہر شخص اپنی موت سے قبل حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لائے گا۔ وہ یوں کہ موت سے قبل سکرات الموت کے اندر ہی میت پر حق واضح ہو جاتا ہے لیکن اس وقت اگر کوئی ایمان لے آئے تو اس کے لیے وہ ایمان مفید نہیں ہوتا۔

میرے خیال میں یہ دوسرا قول زیادہ قابل ترجیح ہے اور اس کی طرف حضرت ابی (رض) کی قرات میں بھی اشارہ کر رہی ہے۔ (آیت) " (الا لیومنن بہ قبل موتہ) (۴ : ۱۵۹) (اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو ان کی موت سے قبل اس پر ایمان نہ لائے) اس قرات کے مطابق اس ضمیر کا مرجع صرف اہل کتاب ہی ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ جو یہودی حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا انکار کرتے ہیں اور اب تک وہ اپنے اس موقف پر قائم ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انھوں نے ان کو قتل کر دیا ہے اور سولی پر چڑھایا ہے ان میں سے جو بھی موت پائے گا اسی وقت اس پر یہ بات واضح ہو جائے گی (یعنی بوقت نزع) کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) تو حق پر ہیں ان کی رسالت برحق ہے۔ تو وہ حالت نزع میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لائے گا لیکن اس وقت تو ایمان لانا مفید نہیں ہوتا۔ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) ان پر خود گواہ ہوں گے۔

یہاں آکر قصہ صلیب ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد یہودیوں کے دیگر منکرات کا ذکر شروع ہوتا ہے اور یہ بتایا جاتا ہے کہ ان کے ان منکرات پر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کو کیا سزا دی اور آخرت میں ان کیلئے کیا کچھ تیار ہے۔

160: فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝

غرض ان یہودیوں کے اسی ظالمانہ رویے کی بناء پر اور اس بناء پر کہ یہ بکثرت اللہ کے راستے سے روکتے ہیں

(آیت) "فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبت احلت لھم وبصدھم عن سبیل اللہ کثیرا' (۱۶۰) واخذھم الربوا وقد نھوعنہ واکلھم اموال الناس بالباطل واعتدنا للکفرین منھم عذابا الیما (۱۶۱) (۴ : ۱۶۰۔۱۶۱)

۔ غرض ان یہودیوں کے اسی ظالمانہ رویے کی بناء پر اور اس بناء پر کہ یہ بکثرت اللہ کے راستے سے روکتے ہیں' اور سود لیتے ہیں جس سے انھیں منع کیا گیا تھا اور لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے کھاتے ہیں' ہم نے بہت سی وہ پاک چیزیں ان پر حرام کر دیں جو پہلے ان کیلئے حلال تھیں' اور (وہ لوگ جو ان میں سے کافر ہیں ان کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

چنانچہ اس آیت کے ذریعے ان کے سابقہ منکرات میں کچھ مزید منکرات کا اضافہ کر دیا گیا۔ اور یہ بتا دیا گیا کہ اللہ کی راہ میں سے لوگوں کو روکنے کے سوا ان کا اور کوئی کام ہی نہیں ہے۔ گویا وہ رات دن ایسی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ نیز یہ رات دن سودی کاروبار میں لگے رہتے ہیں اور یہ کام وہ محض کم علمی کی وجہ سے نہیں کر رہے یا یہ کہ انھیں اس سلسلے میں متنبہ نہیں کیا گیا' بلکہ انھیں صاف الفاظ میں اس سے روکا گیا تھا لیکن انھوں نے پھر بھی اس پر اصرار کیا اور لوگوں کا مال ناجائز طریقے سے کھاتے رہے۔ یہ ربا کے ذریعے بھی کھاتے رہے اور دوسرے ذرائع سے بھی۔

ان منکرات اور اس سے پہلی سورتوں میں مذکورہ جرائم کی وجہ سے اللہ نے ان پر بعض حلال چیزوں کو حرام کر دیا جو ان کیلئے حلال تھیں اور یہ کہ اللہ نے کافروں کیلئے سخت دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یہودیوں کے خلاف اس مہم میں یہودیوں کے چہرے سے نقاب اتار کر پھینک دیا گیا' اور اس ان کے تاریخ سے بعض واقعات بھی پیش کئے گئے تاکہ معلوم ہو کہ ان کی تاریخ کیا ہے۔ ان کی بہانہ سازیوں اور ان کی ہٹ دھرمی کا پردہ چاک کیا گیا اور یہ بتایا گیا کہ وہ کسی طرح مان کر دینے والے نہیں ہیں اور یہ کہ انھوں نے اپنے قائد' اپنے نجات دہندہ اور اپنے عظیم نبی کے ساتھ یہی رویہ اختیار کئے رکھا ان کی عادت یہ رہی ہے کہ وہ ہمیشہ صالحین اور انبیاء کے ساتھ برے سلوک اور ان کے خلاف بدگوئی کرنے میں بہت ہی جری و سریع رہے ہیں۔ وہ انبیاء کو بھی قتل کرتے رہے ہیں اور پھر ندامت کے بجائے اس قتل پر فخر کرتے رہے ہیں۔ ان جملوں کے نتیجے میں' یہودیوں کے مکروفریب کا جال تار تار ہو گیا جو انھوں نے اسلامی صفوں کے خلاف بچھا رکھا تھا۔ ان کی سازشیں ناکام ہو گئیں اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی خفیہ دوستیاں کٹ گئیں۔ یوں اہل اسلام نے یہودیوں کے اصل مزاج کو اچھی طرح جان لیا۔ اسلام کے خلاف ان کی سازشوں اور ان میں استعمال ہونے والے وسائل وذرائع کو پہچان لیا۔ اس بات کا انھیں علم ہو گیا کہ وہ کس طرح ہر سچائی کے مقابلے میں جتھہ بندی کر لیتے ہیں چاہے یہ سچائی خود ان کے اندر ان کی اپنی صفوں سے اٹھے یا ان سے باہر دوسری اقوام کے اندر پائی جائے۔ اس لیے کہ وہ ہمیشہ سچ اور اہل حق کے دشمن رہے ہیں۔ وہ ہمیشہ ہدایت اور ہادیوں کی بیخ کنی کرتے رہے ہیں۔ ہر دور میں اور ہر زمانے میں وہ یہ کام کرتے رہے ہیں۔ اپنے دشمنوں کے ساتھ تو ان کا یہ رویہ بہر حال تھا ہی وہ اپنے دوستوں کے ساتھ بھی یہی کچھ کرتے رہے ہیں' اس لیے ہر دور میں ہر اسلامی تحریک اور اسلامی سوسائٹی کا یہ فرض ہے کہ وہ یہودیوں سے چوکنا رہے اس لیے کہ ان کی جبلت ہی ایسی ہے کہ وہ ذاتی طور پر سچائی کے دشمن ہیں۔ ان کے دل کے اندر حق کی دشمنی بھری ہوئی ہے۔ ان کے کلیجے سخت ہو گئے ہیں۔ وہ اپنے سر صرف اس شخص کیلئے جھکاتے ہیں جو ان پر ڈنڈے برسائے اور وہ سچائی کو تب تسلیم کرتے ہیں جب ان کے سروں پر تلوار لٹک رہی ہو۔

اس قسم کے لوگوں کا یہ تعارف صرف اس جماعت اسلامی کیلئے نہ تھا جو مدینہ طیبہ میں کام کر رہی تھی اس لیے کہ قرآن اس امت کے لیے گائیڈ ہے جب تک کہ یہ امت موجود رہے گی۔ اگر قرآن سے یہ امت اپنے دشمنوں کے بارے میں ہدایات لینا چاہے تو اس میں اسے ہدایات مل جائیں گی، اس سے جب بھی یہ امت کوئی نصیحت لینا چاہے یہ کتاب اسے نصیحت دیتی ہے۔ اس کتاب نے امت کو یہودیوں کے بارے میں ہدایت دی۔ نصیحت کی اور فہم دیا تو اس کے نتیجے میں یہودیوں کی گردنیں مسلمانوں کے مقابلے میں جھک گئیں۔ جب اس امت نے قرآن مجید کو چھوڑا تو یہ امت یہودیوں کی غلام بن گئی، ہم دیکھتے ہیں کہ یہ امت پوری طرح جمع ہوتی ہے اور یہودیوں کی ایک مختصر جمعیت اس پر غالب آجاتی ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ اپنی کتاب اور گائیڈ بک سے غافل ہے۔ وہ قرآن کی ہدایات سے دور بھاگ رہی ہے۔ اس نے اسے پس پشت ڈال دیا ہے۔ اور یہ

امت فلاں اور فلاں کے اقوال کی اطاعت کر رہی ہے۔ یہ امت اسی طرح یہودی سازش کا شکار رہے گی اور اسی طرح وہ یہودیوں کے عتاب میں رہے گی جب تک وہ قرآن کی طرف نہیں لوٹتی۔

یہ بیان اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک یہودیوں میں سے نکل کر آنے والے بعض اچھے لوگوں کی حوصلہ افزائی نہیں کر دی جاتی اور ان کی جرات رندانہ کہ تعریف کی جاتی ہے کہ چھلانگ لگا کر نکل آئے اور سچائی کو قبول کر لیا۔ قرآن کریم ان لوگوں کے علم و ایمان کی تصدیق کرتا ہے جن کی وجہ سے وہ اہل اسلام میں داخل ہوئے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل شدہ دین کو قبول کیا۔ یہ علم وہ تھا جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اترا اور جو آپ سے قبل انبیاء پر اترا تھا۔ وہ اس علم میں زیادہ رسوخ رکھتے تھے جس کی وجہ سے ایمان لے آئے۔

161: وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○

اور سود لیتے ہیں جس سے انھیں منع کیا گیا تھا اور لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے کھاتے ہیں' ہم نے بہت سی وہ پاک چیزیں ان پر حرام کر دیں جو پہلے ان کیلئے حلال تھیں' اور وہ لوگ جو ان میں سے کافر ہیں ان کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

162: لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

مگر ان میں جو لوگ پختہ علم رکھنے والے ہیں اور ایماندار ہیں وہ سب اس تعلیم پر ایمان لاتے ہیں جو اے نبی' تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھی۔ اس طرح کے ایمان لانے والے اور نماز و زکوۃ کی پابندی کرنے والے اور اللہ اور روز آخرت پر سچا عقیدہ رکھنے والے لوگوں کو ہم ضرور اجر عظیم عطا کریں گے۔

(آیت) " نمبر ۱۶۲۔

غرض پختہ علم اور اس پر روشن ایمان انسان کو اس طرح ہدایت دیتے ہیں کہ انسان پورے دین پر ایمان لانے والا بن جاتا ہے۔ انسان اپنے علم کی پختگی اور صاف ایمان کی وجہ سے اس نتیجے تک پہنچ جاتا ہے کہ یہ دین اللہ وحدہ کی طرف سے آیا ہے اور یہ کہ اپنے مزاج کے اعتبار سے دین ایک ہی ہے۔

قرآن کریم کی جانب سے یہ اشارہ دینا کہ علم کی گہرائی کے نتیجے میں صحیح معرفت حاصل ہوتی ہے اور دل کے دروازے نور ایمان کے لیے کھل جاتے ہیں' نزول قرآن کے دور میں نہایت ہی معنی خیز ہے یہ قرآن کریم کے اشارات میں سے ایک اہم اشارہ ہے اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کریم کے نزول کے زمانے میں صورت حال کیا تھی۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں نفس انسانی کی صورت حال کیا ہوتی تھی۔ سطحی علم کی مثال اس طرح ہوتی ہے جس طرح کفر اور انکار۔ یہ کفر اور انکار ان کے دل کے اندر صحیح معرفت کے اترنے میں حائل ہو جاتے ہیں۔ ہر دور میں یوں ہوتا ہے کہ سطحی علم کی وجہ سے حقیقت کی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ جو لوگ علم میں گہرائی تک چلے جاتے ہیں اور انھیں حقیقی علم حاصل ہو جاتا ہے تو ان کی آنکھوں کے سامنے شواہد آ جاتے ہیں جو اس کائنات کے اندر پنہاں ہیں۔ اگر ان کے سامنے شواہد نہیں آتے تو کم از کم ایسے سوالات آ جاتے ہیں جن کا جواب ان کے پاس نہیں ہوتا اور محض کسی سماوی نظریہ حیات کو قبول کر کے ہی وہ ان سوالات کے جواب سے جان چھڑا سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس کائنات کا ایک الہ ہے۔ وہ اس پر حاوی ہے' اس کا مدبر ہے' اور اس پر پوری طرح متصرف ہے۔ اس کا ایک ہی ارادہ ہے۔ اس نے اس کائنات کے اندر یہ ناموس اعظم جاری کیا ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جن کے دل ہدایت کیلئے بے تاب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر راز کھول دیتے ہیں اور ان کی روح ہدایت کو پا لیتی ہے۔ وہ لوگ جو ادھر ادھر سے کچھ معلومات چن لیتے ہیں اور اپنے آپ کو علماء سمجھنے لگتے ہیں' ان کے اس سطحی علم کا پردہ ان کے اور ان دلائل ایمان کے درمیان حائل ہو جاتا ہے جو اس کائنات میں پوشیدہ ہوتے ہیں' اس لیے وہ ایمان تک نہیں پہنچ پاتے۔ ان پر ایمان ظاہر ہی نہیں ہوتا' اس لیے کہ ان کا علم ناقص اور سطحی ہوتا ہے اور یہ سطحی علم اس کائنات کے سوالات کا ادراک نہیں کر سکتا۔ ان کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ ان کے دل مائل بہ ایمان و ہدایت نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ اس کے شائق ہوتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ جب دل میں ہوں وہ ایمان کا ذوق نہیں رکھتا اور نہ اسے نور ایمان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر وہ ایمان رکھتا ہے تو اس دین پر رکھتا ہے جو اسے بطور عصبیت جاہلیہ وراثت میں ملا ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اس دین سے دور ہو جاتا ہے جو خدائے متعال کی جانب سے نازل ہوا ہے اور جسے سلسلہ رسل کے ذریعے بھیجا گیا ہے۔ جس کی کڑیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں صلی اللہ علیہم وسلم اجمعین۔

تفسیر ماثور میں یہ روایات آئی ہیں' کہ یہ اشارہ سب سے پہلے ان لوگوں کی طرف ہے جو لوگ یہودیوں میں سے اپنے رسوخ فی العلم کی وجہ سے ہدایت پا گئے تھے۔ جنہوں نے رسول کی دعوت پر لبیک کہا اور جن کے نام ہم نے گزشتہ سطور میں دے دیئے ہیں لیکن آیت عام ہے اور اس کے مفہوم میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو کبھی بھی اپنے رسوخ فی العلم کی وجہ سے اس دین میں شامل ہوں گے یا وہ اپنی ایمانی بصیرت کی وجہ سے دین اسلام کو قبول کر لیں گے ہیں خواہ تاریخ کے کسی بھی دور میں ہوں۔ (مثلاً ڈاکٹر محمد اسد' حقیقت حال اللہ ہی جانتا ہے)

(آیت) " لکن الرسخون فی العلم منھم والمومنون یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک والمقیمین الصلوۃ والموتون الزکوۃ والمومنون باللہ والیوم الاخر اولئک سنوتیھم اجرا عظیما "۔ (۴ : ۱۶۲)

مگر ان میں جو لوگ پختہ علم رکھنے والے ہیں اور ایماندار ہیں وہ سب اس تعلیم پر ایمان لاتے ہیں جو اے نبی' تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور " جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھی۔ اس طرح کے ایمان لانے والے اور نماز و زکوۃ کی پابندی کرنے والے اور اللہ اور روز آخرت پر سچا عقیدہ رکھنے والے لوگوں کو ہم ضرور اجر عظیم عطا کریں گے۔

(آیت) " (الرسخون فی العلم) جو اگلی پچھلی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں اور ایمان لانے والے اور اقامت صلوۃ کرنے والے' یہ صفات اہل ایمان مسلمانوں کی ہیں اس لیے کہ مسلمانوں کی صفت عظیمہ اقامت صلوۃ' ایتائے زکوۃ' ایمان باللہ اور ایمان بالاخرت ہے۔ ان دونوں کیلئے اجر کا اعلان ہوتا ہے کہ ان کو ہم اجر عظیم عطا کریں گے۔

یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ والمقیمین میں عطف المومنوں پر ہے جبکہ المومنوں کا اعراب رفعی ہے۔ اس لحاظ سے " والمقیمون " ہونا چاہیے لیکن اسے اعراب حالت نصبی کا دیا گیا یعنی اخص المقیمین۔

(میں نماز قائم کرنیوالوں کا ذکر خصوصیت سے کرتا ہوں) یہ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اقامت صلوۃ کی اہمیت دین میں کس قدر عظیم ہے۔ اس طرز ادا کے نظائر کلام عرب اور قرآن مجید میں بالعموم پائے جاتے ہیں اور اس سے سیاق کلام میں کسی بات کی تائید مطلوب ہوتی ہے۔ عام قرات تو یہی ہے۔ البتہ ایک قرات والمقیمون بھی آتی ہے اور یہ عبداللہ ابن مسعود (رض) کے مصحف میں وارد ہے۔

سیاق کلام کی مناسبت سے اہل کتاب کے ساتھ مکالمہ جاری ہے اور اس جگہ یہ بات بالخصوص یہودیوں کے ساتھ ہو رہی ہے۔ یہ بات حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کے بارے میں ہو رہی ہے جس کی وہ تکذیب کرتے تھے۔ اسی طرح وہ اللہ کے درمیان تفریق کرتے تھے اور اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے نشانات و معجزات کا مطالبہ کرتے تھے۔ مثلا یہ کہ آپ آسمان سے ایک کتاب اتار کر لائیں۔۔ چنانچہ یہاں کہا جاتا ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر وحی کا آنا کوئی نئی بات نہیں ہے نہ یہ کوئی اعجوبہ ہے۔ رسول بھیجنا تو اللہ کی سنت ہے اور اس سنت پر اللہ تعالیٰ حضرت نوح (علیہ السلام) سے لیکر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دور تک عمل پیرا رہے ہیں۔ یہ سب رسول' اللہ نے خوشخبری دینے اور ڈرانے کیلئے بھیجے ہیں۔ یہ اپنے بندوں کے ساتھ اللہ کی شفقت اور رحمت کا تقاضا تھا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے رسول اس لیے بھی بھیجے کہ وہ اپنے بندوں پر حجت تمام کرنا چاہتا تھا اور یوم الحساب آنے سے پہلے انھیں خبردار اور متنبہ کرنا چاہتا تھا۔ یہ سب حضرات ایک ہی وحی لیکر آئے۔ ان کا مقصد ایک تھا' اس لیے ان کے درمیان تفریق کرنا محض ضد اور ہٹ دھرمی ہے اور اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگر وہ ضد اور ہٹ دھرمی کر کے انکار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ خود اس پیغمبر کی وحی پر شاہد عادل ہے۔ اس کی شہادت کے بعد اب کسی اور کی شہادت اور تصدیق کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اور اس اللہ کی گواہی پر پھر فرشتے بھی گواہ ہیں۔ فرماتے ہیں۔

163: اِنَّاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ کَمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی نُوۡحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ۚ وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ وَ الۡاَسۡبَاطِ وَ عِیۡسٰی وَ اَیُّوۡبَ وَ یُوۡنُسَ وَ ہٰرُوۡنَ وَ سُلَیۡمٰنَ ۚ وَ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ۝

اے نبی ! ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی جس طرح نوح (علیہ السلام) اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔ ہم نے ابراہیم (علیہ السلام)، اسماعیل (علیہ السلام)، اسحاق (علیہ السلام)، یعقوب (علیہ السلام) اور اولاد یعقوب (علیہ السلام)، عیسیٰ (علیہ السلام)، ایوب (علیہ السلام) یونس (علیہ السلام)، ہارون (علیہ السلام) اور سلیمان (علیہ السلام) کی طرف وحی بھیجی۔ ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو زبور دی

164: وَ رُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰہُمۡ عَلَیۡکَ مِنۡ قَبۡلُ وَ رُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡہُمۡ عَلَیۡکَ ؕ وَ کَلَّمَ اللّٰہُ مُوۡسٰی تَکۡلِیۡمًا ۝

ہم نے ان رسولوں پر بھی وحی نازل کی جن کا ذکر ہم اس سے پہلے تم سے کر چکے ہیں اور ان رسولوں پر بھی جن کا ذکر ہم اس سے پہلے تم سے کر چکے ہیں اور ان رسولوں پر بھی جن کا ذکر تم سے نہیں کیا۔ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے اس طرح گفتگو کی جس طرح گفتگو کی جاتی ہے۔

165: رُسُلًا مُّبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ لِئَلَّا یَکُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا ۝

یہ سارے رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تاکہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہے اور اللہ بہر حال غالب رہنے والا اور حکیم و دانا ہے۔

(آیت) " نمبر ۱۶۳ تا ۱۶۵۔

غرض یہ ایک قافلہ ہے جو شاہراہ تاریخ پر چلتا ہوا نظر آتا ہے اور اس سلسلے کی کڑیاں ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہیں۔ یہ ایک ہی رسالت ہے اور اس کا ایک ہی نصب العین ہے کہ انسان کو قبل از وقت خبر دار کر دیا جائے اور اچھے لوگوں کو قبل از وقت ہی اچھے انجام کی خوشخبری دیدی جائے، اس قافلے میں آگے پیچھے مختار ان درگاہ الٰہی اور انسانوں میں سے چیدہ لوگ آگے پیچھے چلے آرہے ہیں۔ یہ رہے حضرت نوح (علیہ السلام) یہ رہے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) یہ آئی سواری حضرت اسماعیل کی۔ ان کے بعد یہ چلے آرہے ہیں حضرت اسحاق (علیہ السلام) ان کے بعد متصلا حضرت یعقوب آرہے ہیں۔ اب کچھ مختلف گروہ نمودار ہوئے حضرت ایوب (علیہ السلام) یونس (علیہ السلام) ہارون (علیہ السلام)، سلیمان (علیہ السلام)، داؤد (علیہ السلام)، موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) تشریف لائے اپنی اپنی باری پر اور بعض ایسے لوگ بھی چلے آئے ہیں جن کے نام سے ہم واقف نہیں ہیں۔ آخر میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خاتم النبیین تشریف لا رہے ہیں اور اب اس قافلے کا آخری سرا اختتام کو پہنچا۔ اس قافلے میں بعض لوگ ایسے ہیں جن کا ذکر قرآن کریم نے پیش کیا۔ اس قافلے میں مختلف رنگوں اور مختلف نسلوں کے نبی ہیں اور کرہ ارض کے مختلف علاقوں میں یہ قافلہ نظر آتا ہے۔ اور مختلف ادوار اور مختلف زمانوں میں، مختلف معاشروں اور مختلف خاندانوں

میں یہ رسول کام کرتے رہے۔ یہ سب ایک ہی مصدر اور منبع سے پیغام لاتے رہے۔ یہ سب راہ دکھانے والی ایک ہی روشنی کے حامل رہے۔ سب کے سب متنبہ اور خبردار کرتے رہے اور خوشخبری دیتے رہے۔ یہ سب کے سب قافلہ انسانیت کی زمام اپنے ہاتھ میں لیکر اسے نور ہدایت میں داخل کرتے رہے۔ چاہے کوئی کسی ایک خاندان کیلئے آیا ہو' چاہے کوئی کسی ایک قوم کیلئے آیا ہو' چاہے کوئی ایک شہر اور ایک علاقے کیلئے آیا ہو' چاہے کوئی تمام انسانوں کیلئے آیا ہو اور خاتم النبیین کا لقب پایا ہو۔

یہ سب کے سب وحدہ سے وحی پاتے رہے۔ ان میں سے کسی نے کوئی بات اپنی طرف سے پیش نہیں کی۔ ان میں سے اگر اللہ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے براہ راست بات کی تو وہ بھی وحی کا ایک رنگ تھا۔ اس کیفیت سے ہم آگاہ نہیں ہیں نہ اس کا ادراک کیا جاسکتا ہے اس لیے کہ قرآن کریم آخری وحی کا ریکارڈ ہے اور یہ اس قدر درست ریکارڈ ہے جو ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا ہے اور قرآن نے اس ہم کلامی کی کوئی تفصیل یا کیفیت بیان نہیں کی ہے۔ اس کی کیفیت کیا تھی؟ موسیٰ (علیہ السلام) اپنے کن خواص اور کس قوت ادراک سے اسے پا رہے تھے۔ یہ سب باتیں غیب سے تعلق رکھتی ہیں۔ قرآن کریم نے ان کے بارے میں کوئی بات بیان نہیں کی ہے۔ اور قرآن کریم کے علاوہ اس موضوع پر جو کوئی بھی اپنے ذہن سے بات کرے گا وہ بے سند' فلسفہ یا قصہ کہانی ہوگی۔

یہ رسول' جن میں سے بعض کے نام ذکر ہوئے اور بعض کے نام نہیں لیے گئے کیوں بھیجے گئے؟ اللہ کی شفقت اور رحمت اور عدالت کا تقاضا یہی تھا کہ وہ رسول بھیجے۔ تاکہ وہ اللہ کے بندوں میں سے مومنین اور اطاعت کندگان کو خوشخبری دیدیں کہ اللہ نے ان کیلئے کیا کیا نعمتیں تیار کی ہوئی ہیں۔ بیشمار نعمتیں اور اللہ کی رضامندی ان کے انتظار میں ہے۔ اور کافروں اور نافرمانوں کو ڈرائیں کہ اللہ کا غضب اور ایک دردناک عذاب ان کے انتظار میں ہے۔ اور یہ سب کچھ کیوں کیا گیا۔ (آیت) "لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل"۔ (۴ : ۱۶۵) (تاکہ ان کو مبعوث کردینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہے۔" اور یہ رسول لوگوں کو بتادیں کہ ان کے نفس اور ان کے ارد گرد پھیلی ہوئی کائنات کے اندر کیا کیا دلائل ہیں۔ انھیں بتائیں کہ اللہ تعالیٰ جنس بشر کو متاع عقل سے نوازا ہے اور ان کا فرض ہے کہ وہ اس کے ذریعے اپنے نفسوں اور اپنے ارد گرد پھیلی ہوئی کائنات کے اندر دلائل تلاش کریں۔ عقل کے ہوتے ہوئے بھی ان کے پاس رسول بھیجے گئے، یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے بندوں پر خاص شفقت اور رحمت تھی کہ اس نے رسول بھیجے کیونکہ اسے معلوم تھا کہ انسان کی ذاتی خواہشات اور اس کے میلانات اس کی عقل پر غالب آجائیں گے اور ان کے نتیجے یہ عظیم قوت دب کر رہ جائے گی۔ اسی لیے اللہ نے اپنی رحمت خاصہ کے تحت ان کے پاس رسول بھیجے جو مبشرین اور منذرین تھے۔ وہ ان کے سامنے یاد دہانی کراتے رہے۔ انھیں بصارت اور بصیرت دیتے رہے۔ وہ ان کی فطرت اور ان کی قوت عقلیہ کو شہوات نفسانیہ کے ڈھیروں کے نیچے سے نکال کر آزاد کراتے رہے۔ جن ڈھیروں کے نیچے رہتے ہوئے اس کی عقل اور فطرت کیلئے دلائل ہدایت اور ایمان کے تقاضوں کو پانا مشکل ہوگیا تھا چاہے یہ دلائل خود نفس انسانی کے اندر ہوں یا اس کے ارد گرد پھیلی ہوئی اس کائنات کے اندر ہوں۔

(آیت) "وکان اللہ عزیزا حکیما"۔ (۴ : ۱۶۵) (اور اللہ بہر حال غالب رہنے والا اور حکیم و دانا ہے۔" وہ غالب اس طرح ہے کہ اس کے بندے جب جرائم کا ارتکاب کریں ان پر وہ گرفت کر سکتا ہے۔ حکیم و دانا اس طرح ہے کہ وہ اس کائنات کے تمام امور کو اپنی حکمت کے مطابق چلاتا ہے ۔ ہر معاملے کو اپنی جگہ پر طے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کیلئے جو تقدیرات اور جو اندازے طے کئے ہیں وہ سب حکمت اور اپنی مشیت کے مطابق کئے ہیں۔

اب ذرا منظر کے سامنے رکئے ! (لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل (۴ : ۱۶۵) "تاکہ ان رسولوں کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہے"۔ اس منظر میں تو ہدایات و اشارات کا ایک ذخیرہ پنہاں ہے۔ گہرے اشارے اور واضح ہدایات۔ ہم ان میں سے دو تین کا ذکر کرتے ہیں اور وہ بھی ضلال القرآن کی مناسبت سے نہایت ہی مختصر۔

اس آیت سے پہلی بات جو نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ نظام دین میں انسانی عقل کا مقام کیا ہے ؟ اس کے مقاصد کیا ہیں ؟ اور انسان کے اہم ترین مسائل مثلاً مسئلہ ایمان کے سلسلے میں عقل کی اہمیت کیا ہے ؟ اس لیے کہ ایمان کی بنیادوں پر لوگوں کی زندگی کا نظام استوار ہونا تھا۔ اور زندگی کے تمام عناصر' اس کے تمام رجحانات' اس کی پوری عملی شکل اور اس کی کائنات میں اس کے تمام تصرفات کو ایمانی نظریے پر استوار ہونا تھا' جس طرح عالم آخرت میں اس کا انجام تمام کا تمام اس ایمان پر موقوف تھا۔

اگر اپنی قوتوں کے بل پر (اور اللہ انسان اور اس کی قوتوں کے بارے میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہے' اور ان قوتوں کو انسان کے اندر خود اللہ نے ودیعت کیا ہے) یہ انسان صرف اپنی اس عقل کے ذریعہ ہدایت پا سکتا اور اپنی ذات اور اپنی حیات کیلئے راہ مصلحت تلاش کر سکتا' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اپنے لیے خیر ڈھونڈ سکتا تو اللہ تعالیٰ پوری انسانی تاریخ میں اس طویل سلسلہ رسل کو ہر گز نہ جاری فرماتا اور لوگوں پر بذریعہ رسل حجت تمام نہ کرتا اور انسان اپنی اس عقل کے بل بوتے پر اپنے لیے دلائل ہدایت اور ایمان و یقین کے اشارات تلاش کر لیتا۔ یہ دلائل وہ اپنے نفس سے بھی معلوم کر لیتا اور اپنے ارد گرد پھیلی ہوئی کائنات کے آفاق کے اندر سے بھی وہ ان کو ڈھونڈ لاتا۔ وہ اپنے لیے ایک ایسا نظام زندگی بھی گھڑ لیتا جس سے اس کی زندگی کے تمام مسائل ہو جاتے۔ وہ راہ حق اور صراط مستقیم پر سیدھا چلتا۔ سلسلہ رسل کی سرے سے ضرورت نہ رہتی' ان کی تبلیغی سرگرمیوں کی ضرورت نہ رہتی' اور اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتے کہ اگر رسول نہ ہوتے تو لوگوں کے پاس حجت ہوتی۔ جیسا کہ کہا گیا۔

" (آیت) "لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل (۴ : ۱۶۵) "تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے خلاف کوئی حجت نہ ہو۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو خوب علم تھا کہ اس کو عقل کا جو ذریعہ ادراک اور الہ فہم دیا ہے وہ بذات خود ان امور کے ادراک سے قاصر ہے اور محض عقل انبیاء کی راہنمائی کے بغیر' رسولوں کی تنظیم اور معاونت کے بغیر ہدایت تک نہیں پہنچ سکتی۔ نیز رسولوں کی راہنمائی کے بغیر اس کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ پوری انسانی زندگی کیلئے کوئی اور منہاج حیات وضع کر لیں جس میں ان کی پوری پوری مصلحت ہو اور وہ ان کیلئے دنیا اور آخرت

دونوں میں اچھے انجام کا ضامن ہو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو عقل انسانی کی کوتاہ دامنی کا اچھی طرح علم تھا' اسی لیے اللہ کی حکمت اور اس کی شفقت کا تقاضا یہ ہوا کہ وہ لوگوں کیلئے رسول بھیجے اور یہ کہ رسالت اور تبلیغ ہدایت کے بغیر لوگوں سے کوئی مواخذہ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ (آیت) "وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا" "ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک ہم رسول نہ بھیج دیں" اور یہ بات اس قدر بدیہی ہے کہ آیت سے قطعاً ثابت ہوتی ہے اور اگر قطعاً ثابت نہیں ہوتی تو اس آیت کا لازمی تقاضا ضرور ہے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایمان وہدایت کے میدان میں اور ایمان وہدایت کی اساس پر تفصیلی نظام زندہ قیام کے معاملے میں پھر عقل کا کردار ہی کیا رہ جاتا ہے۔؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ عقل انسانی کا کردار یہ ہے کہ وہ رسولوں سے ہدایت اخذ کرنے کے سلسلے میں اپنے فرائض ادا کرے۔ عقل کا فرض ہے کہ رسولوں کی دعوت پر غور وفکر کرے۔ رسولوں کے فرائض صرف اس حد تک ہیں کہ وہ پہنچا دیں اور سمجھا دیں اور انسانی فطرت کے اوپر جو غلط افکار کے تہہ بہ تہہ ڈھیر ہیں انھیں صاف کر کے فطرت کو ان کے نیچے سے نکال دیں' اور انسان کو اس طرف متوجہ کر دیں کہ اس کے نفس اور اس کے ارد گرد پھیلی ہوئی کائنات کے اندر معرفت کردگار (خالق) کے واضح دلائل موجود ہیں۔ اس کیلئے یہ رسول صحیح نظام تربیت اور صحیح منہاج مطاعلہ کائنات وضع کر دیں اور انسانوں کیلئے نظام زندگی تجویز کر دیں جس پر ان کی زندگی کا قافلہ رواں اور دواں ہو جائے اور جس میں ان کی دنیا اور آخرت کی خیر ہو۔

عقل کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ دین اور الہیات کے معاملے میں' ان موضوعات کی صحت اور بطلان کے بارے میں مفتی اور جج بن جائے۔ اسے اختیار ہو کہ جو چاہے وہ قبول کرے اور جس چیز کو چاہے اسے رد کر دے جبکہ وہ بات قرآن وسنت سے یقینی طور پر ثابت شدہ ہو یہ بعد کہ اس بات کا مفہوم واضح طور پر سمجھ میں آگیا ہو۔ یعنی نصوص قرآنی کے لغوی اور اصطلاحی مدلولات کی روشنی میں۔ اگر عقل انسانی کو رد و قبول کا یہ اختیار ہوتا یعنی صحیح مفہوم ومدلول کے ادراک کے بعد' بایں طور کہ ہماری عقل اس مدلول کو قبول نہیں کرتی' یا اسے قبول کرنا نہیں چاہتی تو پھر خدا اور رسول کے بیان کے بعد انسان مستحق عذاب قرار نہ پاتا۔ لہٰذا عقل اس بات کی پابند ہے کہ وہ ضروریات دین کو قبول کرے۔ اگر یہ عقائد اس تک صحیح طرح پہنچ جائیں اور جب عقل صحیح طور پر ان نصوص کے مفہوم ومراد کو سمجھ بھی جائے۔

حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت عقل کو مخاطب کرتی ہے۔ وہ عقل کو جگاتی ہے' اس کیلئے فکر و نظر کا ایک درست منہاج وضع کرتی ہے اور اسے صحیح راہ پر ڈالتی ہے۔ لیکن یہ خطاب اس مفہوم میں نہیں ہے کہ عقل کو اس رسالت کے صحیح ہونے یا اس کے باطل ہونے کا فیصلہ صادر کرنے کا اختیار ہے یا وہ ایسا کر سکتی ہے۔ یا امور رسالت میں اسے رد و قبول کرا اختیار حاصل ہے' بلکہ یہ خطاب اس مفہوم میں ہے کہ جب نص سے کوئی امر ثابت ہو جائے تو وہی اللہ کا حکم ہو گا اور عقل انسانی کا فرض ہے کہ اسے قبول کرے۔

اس کی اطاعت کرے اور اسے اس کرہ ارض پر نافذ کرے۔ چاہے نص کا یہ مفہوم اس کے ذہن کیلئے مالوف و مقبول ہو یا اس کیلئے عجیب و غریب ہو۔

عقل انسانی کا کردار اس بات میں صرف اس قدر ہے کہ وہ نصوص کو سمجھنے کی صحیح کوشش کرے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ لغت عربی اور اصطلاحات شریعت کے مطابق اس نص کا مفہوم کیا بنتا ہے۔ یہاں آکر عقل کا کام ختم ہو جاتا ہے اور نص شریعت سے جو صحیح مفہوم اخذ ہوتا ہے اسے کسی عقلی دلیل اور قیاس سے رد نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ جہاں تک نص کا تعلق ہے وہ اللہ کی جانب سے ہے۔ محض عقلی توجیہہ نص سے برتر نہیں ہو سکتی اس لیے کہ عقل الہ کا درجہ نہیں رکھتی نہ وہ اللہ کی نصوص کے اور رد و قبول کا درجہ رکھتی ہے۔

اس اہم نکتے پر خیالات کے اندر ایک عظیم التباس پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو عقل انسانی کو الہ کا درجہ دیدیتے ہیں۔ اپنے معاملات پر بھی اسے حکم قرار دیتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو ایمان وہدایت کے میدانوں میں عقل کو دخل اندازی کی ذرہ بھر اجازت نہیں دیتے، صحیح منہاج وہی ہے جو اوپر ہم نے بیان کر دیا ہے۔ وہ یہ کہ رسالت نے عقل کو مخاطب کیا ہے تاکہ وہ رسالت کے فیصلوں کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ رسالت اپنے عملی اور نظریاتی فیصلوں کے بارے میں عقل کیلئے بھی ایک منہاج بناتی ہے تاکہ وہ بھی اپنے دائرے کے اندر کام کرے۔ پوری زندگی میں رسالت کے فیصلوں کا ادراک کرے۔ جب عقل نے رسالت کے فیصلوں کو سمجھ لیا کہ نصوص شریعت و رسالت کا مفہوم کیا ہے تو پھر عقل کیلئے تصدیق' اطاعت اور ان کے نفاذ کے سوا اور کوئی راستہ ہی نہیں رہتا شریعت یہ لازم نہیں کرتی کہ وہ مفاہیم نصوص سمجھے بغیر ان پر عمل کرے بلکہ شریعت کا مدعا یہ ہے کہ نصوص شریعت پر سمجھ کر عمل کیا جائے۔ لیکن جب عقل ان کا ادراک کرلے تو اس پر فرض ہو جاتا ہے کہ پھر ان پر عمل پیرا ہو اور کوئی چون وچرا نہ کرے۔ نصوص کے مفاہیم کے مطابق بات کو قبول کرے۔ اور نصوص کا مقابلہ اور چون وچرا یہ ہو گا کہ ان میں سے بعض کو قبول کرے اور بعض کو رد کرے۔ بعض کو صحیح قرار دے اور بعض کو غلط قرار دے' باوجود اس علم کے کہ یہ نصوص وہدایت اللہ کی جانب سے آئی ہوئی ہیں۔ اللہ وہی بات کرتا ہے جو حق ہوتی ہے اور وہ جو حکم بھی دیتا ہے اس میں بھلائی ہوتی ہے۔

اسلامی منہاج حیات میں اللہ سے ہدایت پانے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ نصوص قرآن وسنت کا صحیح مفہوم پالینے کے بعد اس میں عقلی گھوڑے نہ دوڑائے جائیں یہ فہم اصول فہم کے مطابق ہو۔ انسان قرآن وسنت کا مطالعہ اپنے ذہن میں بعض فیصلے پہلے سے طے کر کے نہ کرے اس طرح کہ اپنے دین میں بعض منطقی نتائج طے کرلے یا اپنے محدود ملاحظے سے کچھ باتیں طے کرلے یا اپنے ناقص تجربات کے مطابق بعض چیزوں کو حقائق سمجھ لے اور اس کے مطابق قرآن وسنت کو ڈھالنے کی سعی کرے۔ صحیح منہاج مطالعہ یہ ہے کہ وہ نصوص کو اس طرح لے جس طرح کہ وہ ہیں اور نصوص نے جو فیصلے کر لیے ہیں وہ بہر حال فیصلے ہیں اور وہ اس کی ذاتی سوچ سے بہتر ہیں اور ان کا نظام اور ان کا منہاج اس کے ذاتی منہاج سے زیادہ مضبوط ہے اس لیے عقل دین کے فیصلوں پر کوئی محاکمہ نہیں کر سکتی۔ جب عقل کے نزدیک یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ فیصلہ دین کا ہے۔

لوگوں کے بتائے ہوئے فیصلے اصول دین پر برتری حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔ عقل بہر حال ان دینی ضوابط کی تابع ہو گی۔ بشر طیکہ دین کے ضوابط اور پیمانے اچھی طرح ثابت ہو کو سامنے آجائیں۔

عقل لوالہ کا درجہ حاصل نہیں ہے کہ وہ یہ قرار دے کہ اس نے جو نتائج اخذ کر لیے ہیں وہ اللہ کے فیصلے ہیں ہاں عقل انسانی کو یہ حق ضرور حاصل ہے کہ وہ کسی نص کا کوئی مفہوم انسانی عقل کے مطابق کسی دوسرے مفہوم کے مقابلے میں پیش کرے جو بذات خود بھی عقلی مفہوم ہو۔ یہ تو عقل انسانی کا دائرہ کار ہے اور اس میں عقل پر کوئی پابندی نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی حرج ہے بشر طیکہ نصوص کا یہ مفہوم وادراک صحیح اور اصولوں کے دائرے کے اندر ہو مقصود تاویل نصوص اور افہام و تفہیم ہو اور نصوص کے اندر تاویل کی گنجائش موجود ہو۔ یہ تاویل اور تفہیم بھی ان قواعد اور ضوابط کے اندر ہو' جو اس مقصد کیلئے خود دین نے وضع کئے ہیں۔ یہ قواعد ایسے ہیں جو انسانوں کی حریت فکر کی تمام ضروریات کو پورا کرتے ہیں اور انسان کے فہم وادراک کیلئے ایک وسیع میدان فراہم کرتے ہیں۔ اسلامی نظام میں کوئی ایا اداراہ کوئی ایسی اجتماعی پابندی اور کوئی ایسا عہد یدار نہیں ہے جسے ذہنوں پر تالے لگانے کا اختیار ہو کہ لوگ نصوص شرعیہ کے اندر غور وفکر نہیں کر سکتے۔ ان کے انطباق کیلئے کوئی اچھی رائے نہیں دے سکتے یا کوئی معقول وجوہ پیش نہیں کر سکتے۔ بشر طیکہ کوئی شرعی نص ان آراء' ان تاویلات اور وجوہات کی متحمل ہو اور یہ تاویلات بھی اسلامی نظام کے حدود کے اندر ہوں اور اصول دین پر مبنی ہوں۔ یہ ہے مفہوم اس بات کا کہ رسالت محمدیہ عقل کو مخاطب کرتی ہے۔

بیشک اسلام ایک عقلی دین ہے۔ وہ اپنے مسائل' عقائد اور فیصلے عقل کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور اسلام یہ فیصلے اور عقائد انسانوں سے فوق الفطری انداز میں نہیں منواتا کہ ماننے کے سوااور کوئی چارہ کار ہی نہ رہے بلکہ وہ عقلی دین اس مفہوم میں ہے کہ وہ عقل سے مخاطب ہوتا ہے اور اسے غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ وہ اس کے سامنے ہدایت اور صراط مستقیم پر آنے دلائل پیش کرتا ہے کہ وہ اپنے نفس اور اپنے آفاق کے اندر پائے جانے والے ان نشانات راہ پر غور کرے راہ پر غور کرے اور انسان کی اصلی فطرت کو ان عادات وتقالید کے تہ بہ تہ جمے ہوئے پردوں اور ڈھیرون کے نیچے سے نکالے۔ نیز یہ کہ عقل اپنے آپ کو گمرہ کن خواہشات اور عقل وفطرت پر چھا جانے والے موثرات سے نکال لے۔ قرآن کریم عقل کو اس لیے خطاب کرتا ہے کہ قرآن نے اپنے نصوص کے اندر جو امور طے کر دیئے ہیں وہ ان پر غور وفکر کر کے ان کو تسلیم کرے، اور قرآن کریم کا یہ انداز نہیں ہے کہ وہ بغیر سمجھانے کے لوگوں کو بات تسلیم کرنے پر مجبور کرے۔ ہاں جب عقل کو کام میں لا کر انسان کسی نص کا مفہوم ومدلول پالے اور حقائق کا ادراک کرے تو پھر اس کیلئے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں ہے۔ سمجھنے کے بعد اگر وہ تسلیم کرلیں تو مومن ہیں اور اگر تسلیم نہ کریں تو کافر ہیں۔ رہے قرآنی اور اسلامی فیصلے تو وہ عقل کے سامنے پیش کئے جانے سے پہلے ہو چکے ہیں۔ عقل کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ وہ درست ہیں یا غلط ہیں۔ نہ عقل کو اختیار ہے کہفہم ودارک کے بعد اسلامی فیصلوں کو رد کر سکے۔ آج کل بعض لوگ عقل کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ وہ اسلامی فیصلوں کو رد کرے۔ ایسے لوگوں کے نزدیک ان کی عقل ان کا الہ بن جاتی ہے۔ اب ان کا

یہ الہ شریعت کے جن فیصلوں کو چاہے قبول کرلے اور جن کو چاہین انھیں رد کردے۔ جن امور کو چاہے چن لے اور جن کو چاہے چھوڑ دے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

(آیت) "افتومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض"۔ کیا تم کتاب کے بعض حصے پر ایمان لاتے ہو اور بعض سے کفر کرتے ہو۔" یہ طرز عمل کافرانہ ہے اور ایسے لوگوں کو آخرت میں سخت سزا دی جائے گی۔

اب اللہ تعالیٰ نے چاہے اس کائنات کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا' یا انسان کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا' یا کسی بھی دوسری مخلوق کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا یا اللہ تعالیٰ نے قانون میراث کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا یا فرائض ونواہی کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا تو اللہ کے یہ تمام فیصلے واجب القبول ہیں اور جن تک یہ فیصلے پہنچیں اور وہ ان فیصلوں کے مدلولات کا ادراک کرلیں تو ان کیلئے ان فیصلوں کو قبول کرنا فرض ہے۔ مثلا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

(آیت) "اللہ الذی خلق سبع سموت ومن الارض مثلھن" (۶۵ : ۱۲) (اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین کی قسم سے بھی انھیں کے مانند۔" (آیت) "(واللہ خلق کل دآبۃ من مآئ) (۲۴ : ۴۵) "اور اللہ نے ہر جاندار ایک طرح کے پانی سے پیدا کیا۔" (آیت) "(خلق الانسان من صلصال کالفخار) (۱۴) (وخلق الجان من مارج من نار (۱۵) (۵۵ : ۱۴۔ ۱۵) (انسان کو اس نے ٹھیکری جیسے سوکھے سڑے گارے سے بنایا اور جن کو آگ کی لپٹ سے پیدا کیا) یہ اور اس قسم کی بیشمار آیات ہیں جن کا تعلق اس کائنات کی نوعیت اور زندہ اور مردہ اشیاء کی ماہیت سے ہے۔ پس اللہ نے جو کچھ کہہ دیا وہ حق ہے۔ اب عقل کیلئے یہ مجال نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ یہ باتیں تو میرے فیصلوں کے اندر اس طرح نہیں ہیں یا میرے فہم وادراک میں یہ بات نہیں سماتی یا یہ بات ابھی میرے تجربے کے اندر نہیں آئی۔ اس لیے کہ ان معاملات میں عقل نے جو فیصلے کئے ہیں وہ درست بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کہہ دیا ہے وہ درست ہی ہو سکتا ہے اور اس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ البتہ ہماری فہم نصوص کے صحیح مفہوم کا ادراک کرنے میں غلطی کر سکتی ہے اور یہ بات اس صورت میں ہے کہ نصوص کے صحیح مفہوم کا ہم ادراک کرلیں۔ اسی طرح دوسری آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ (آیت) "(ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون) (۵ : ۴۴) (جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی کافر ہیں۔

(آیت) "یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین (۲۷۸) فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ وان تبتم فلکم رء وس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون"۔ (۲۷۹) (۲ : ۲۷۸۔ ۲۷۹)

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو' خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو' اگر واقعی تم ایمان لائے ہو۔ لیکن اگر تم " نے ایسا نہ کیا' تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اب بھی توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایہ تم لینے کے حقدار ہو۔ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

(آیت) "وقرن فی بیو تکن ولا تبر جن تبرج الجاھلیۃ الاولی) (۳۳ : ۳۳) "اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابق دور جاہلیت کیسی سج دھج نہ دکھاتی پھرو"۔ (آیت) "ولیضر بن بخمر ھن علی جیو بھن"۔ (۲۴ : ۳۱) "اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ ظاہر کریں"۔

یہ اور انسانی زندگی کے بارے میں دوسری آیات وہدایات ایسی ہیں کہ ان میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہی سچ ہے اور ان کے بارے میں عقل کو یہ کہنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ عقل کے مطابق فلاں اور فلاں باتوں میں مصلحت زیادہ ہے' جو اللہ کے فیصلوں کے خلاف ہوں یا وہ ایسی باتیں ہوں جن کی اجازت اللہ تعالیٰ نے نہ دی ہو اور اسے لوگوں کیلئے قانون قرار نہ دیا ہو۔ جس امر میں عقل کو مصلحت نظر آتی ہے اس میں خطا اور صواب دونوں کا امکان ہے اور وقتی جذبات اور خواہشات نفسانیہ کا دخل اس میں عین ممکن ہے اس لیے اللہ تعالیٰ جو فیصلہ فرماتے ہیں وہ درست ہی ہو سکتا ہے اور اس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے جن عقائد اور تصورات کی تلقین کی ہے' یا زندگی کا جو منہاج اور طریق کار تجویز کیا ہے ان کے بارے میں عقل کا موقف جو ہو سو ہو' جب تک نص صحیح ہے' قطعی الدلالت ہے اور کسی وقت کے ساتھ موقت نہیں ہے۔ اس بارے میں ہم عقل کو یہ اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ یہ کہے کہ جہاں تک عقائد و نظریات کا تعلق ہے وہ تو ہم نصوص کے مطابق لیتے ہیں۔ رہا زندگی کا تفصیلی نظام تو اس بارے میں بات یہ ہے کہ اب زمانہ بہت ہی بدل گیا ہے اور نہایت ہی ترقی یافتہ ہے۔ اس لیے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ نصوص شرعیہ کسی خاص وقت تک ہی موثر ہوں تو اللہ تعالیٰ اسی طرح کر سکتا تھا۔ جب تک کوئی نص مطلق ہے تو وہ جس طرح زمانہ نزول کے وقت موثر تھی اسی طرح وہ آخری زمانے میں بھی موثر ہو گی ورنہ یہ بات لازم آئے گی کہ ہم اللہ میاں کو قصور وار ٹھہرانے کی جسارت کریں جو ہر قسم کے نقائص سے پاک وصاف ہے۔

سوال یہ ہو گا کہ کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا ہے؟ نہیں اجتہاد اس میں ہو گا کہ ہم کسی جزئی صورت حال پر کسی نص کی تطبیق کریں۔ یہ اجتہاد نہیں ہے کہ ہم ایک عام اصول میں یا حکم میں کوئی تبدیلی کریں یا اسے رد کر دیں' کسی دور میں یا کسی نسل میں اصول عقل میں سے کسی اصول کے تحت کوئی بات کریں۔

درج بالا جو معروضات ہم نے پیش کی ہیں' ان میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو حیات انسانی کے اندر عقل وخرد کی اہمیت کو کم کر رہی ہو اس لیے کہ اسلامی نصوص اور اصولوں کو جدید سے جدید تر حالات پر منطبق کرنے کا ایک وسیع میدان کار عقل کیلئے کھلا ہے۔ جبکہ عقل اسلامی نقطہ نظر

اور اسلامی پیمانوں کا اچھی طرح ادراک کرے جو صحیح خطوط پر فہم دین سے مستفاد ہیں۔ اس سے بھی زیادہ وسیع میدان اس کائنات کے اصول طبیعی ' اس کی قوتوں اور اس کے اندر پوشیدہ ذخائر کا ہے۔ اس کائنات کا مزاج ' اس کے اندر رہنے والی مخلوقات کا علم ' ان قوتوں کے استفادے کے ذرائع اور اس میں زندہ مخلوقات کیلئے زندگی آسان بنانے کے ذرائع واسباب عقل کیلئے وسیع تر میدان ہیں جن میں صرف عقل ہی کام کر سکتی ہے۔ یہاں انسان کو ترقی دی جاسکتی ہے اور حدود اللہ میں رہتے ہوئے اس کی زندگی کے شب و روز بدل سکتے ہیں۔ بہر حال عقل کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ انسانیت کی لگام ہوا و ہوس اور لذت و شہوت کے ہاتھ میں دیدے جہاں عقل ٹھوکر کھاتی ہے اور فطرت خواہشات کے دبیز مادے کے نیچے دب جاتی ہے۔

ذرا پھر رکئے اور اس آیت پر دوبارہ نظر ڈالئے (آیت) "لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل (۴ : ۱۶۵) "تاکہ رسولوں کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہے۔" اس آیت سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کے کاندھوں پر کس قدر عظیم ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں اور اس کے بعد جو لوگ انبیاء (علیہم السلام) کی رسالت پر ایمان لانے والے ہیں ان پر تمام انسانوں کے حوالے سے کس قدر عظیم ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں۔ فی الواقعہ یہ عظیم اور بھاری ذمہ داریاں ہیں۔

تمام لوگ جو اس دنیا میں آباد ہیں ان کے انجام ' دنیا اور آخرت دونوں میں ' رسولوں اور رسولوں کے متبعین کے ساتھ وابستہ ہیں۔ مثلاً رسول اور ان کے متبعین اللہ کے پیغام کو ان تک پہنچانے کے ذمہ دار ہیں اور اس تبلیغ کے نتیجے ہی میں لوگوں کی خوش بختی اور بد بختی کا فیصلہ ہوگا ' اس تبلیغ اور دعوت ہی کے نتیجے میں ثواب اور عتاب کے وہ مستحق ہوں گے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

بیشک یہ ایک ہول ناک اور خوفناک اور عظیم ذمہ داری ہے لیکن اس کے سوا اور کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام رسل (علیہم السلام) اپنی اس عظیم ذمہ داری کا شدید احساس رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ بھی ان کو اس بوجھ سے اچھی طرح آگاہ فرما دیتے تھے جو ان پر ڈالا گیا تھا۔ یہی وہ بات ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے کہتے ہیں۔ (آیت) "انا سنلقی علیک قولا ثقیلا"۔ (۷۳ : ۵) "ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنیوالے ہیں۔" اور اس کیلئے تیاری یوں ہوگی۔

(آیت) "یایھا المزمل" (۱) قم الیل الا قلیلا (۲) نصفہ او انقص منہ قلیلا (۳) او زد علیہ ورتل القرآن ترتیلا (۴) (انا سنلقی علیک قولا ثقیلا (۵) (۷۳ : ۱۔۵) "اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے ' رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم ' آدھی رات ' یا اس سے کچھ کم کر لو ' یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو ' " اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنیوالے ہیں۔

(آیت) "انا نحن نزلنا علیک القرآن تنزیلا (۲۳) فاصبر لحکم ربک ولا تطع منھم اثما او کفورا (۲۴) واذکر اسم ربک بکرۃ واصیلا (۲۵) ومن الیل فاسجد لہ وسبحہ لیلا طویلا"۔ (۲۶) (۷۶ : ۲۳ تا ۲۶)

اے نبی ! ہم نے تم پر یہ قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے لہٰذا تم اپنے رب کے حکم پر صبر کرو' اور ان میں سے کسی بد عمل' یا منکر حق کی بات نہ مانو۔ اپنے رب کا نام صبح اور شام یاد کرو۔ رات کو بھی اس کے حضور سجدہ ریز ہو' اور رات کے طویل اوقات میں اس کی تسبیح کرتے رہو"۔ یہ ہے وہ بات جس کا احساس اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو دلاتے ہیں اور اسے حکم دیتے کہ وہ یہ بات کریں اور اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ اس کی حقیقت اور اہمیت کیا ہے۔

(آیت) "قل انی لن یجیرنی من اللہ احد ولن اجد من دونہ ملتحدا"۔ (۷۲ : ۲۲) "کہو مجھے اللہ کی گرفت سے کوئی بچا نہیں سکتا اور نہ میں اس کے دامن کے سوا کوئی جائے پناہ پا سکتا ہوں۔ میرا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کی بات اور اس کے پیغامات پہنچا دوں"۔

(آیت) "علم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا (۲۶) الا من ارتضی من رسول فانہ یسلک من بین یدیہ و من خلفہ رصدا (۲۷) لیعلم ان قد ابلغوا رسلت ربھم واحاط بما لدیھم واحصی کل شیء عددا (۲۸) (۷۲ : ۲۶ تا ۲۸)

وہ عالم الغیب ہے۔ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا' سوائے اس رسول کے جسے اس نے پسند کر لیا ہو' تو اس کے آگے اور پیچھے وہ محافظ لگا دیتا ہے تاکہ وہ جان لے کہ انھوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے' اور وہ ان کے پورے ماحول کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ایک ایک چیز کو اس نے گن رکھا ہے"۔

بیشک یہ ایک خوفناک اور عظیم فریضہ ہے۔ لوگوں کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ ان کی خوش بختی اور بد بختی کا معاملہ ہے۔ ان کے ثواب اور عذاب کا مسئلہ۔ یہ پوری انسانیت کے انجام کا معاملہ ہے۔ اس فریضے کا خلاصہ یہ ہے کہ اس پیغام کو یا تو لوگوں تک پہنچایا جائے گا تاکہ وہ اسے قبول کریں' اس کی پیروی کریں جس کے نتیجے میں وہ دنیا و آخرت میں فلاح پائیں گے یا ان تک یہ پیغام پہنچے گا تو وہ اسے دور پھینک دیں گے اور دنیا و آخرت دونوں میں بد بختی کا شکار ہوں گے اور یا یہ پیغام ان تک نہ پہنچے گا اور نتیجہ یہ ہو گا کہ لوگوں کے ہاتھ ان کے رب کے خلاف ایک حجت ہاتھ آ جائے گی اور ان لوگوں کی اس دنیاوی بد بختی کی ذمہ داری اور ان کی گمراہی کی ذمہ داری ان لوگوں پر ہو گی جو اس دنیا میں ان تک خدا کا پیغام پہنچانے کے ذمہ دار ہیں اور وہ یہ ذمہ داری پوری نہیں کرتے۔

رہے اللہ کے رسول تو انھوں نے تو اپنی ذمہ داری پوری طرح ادا کر دی۔ انھوں نے اللہ کا پیغام اور امانت لوگوں تک پہنچا دی۔ وہ اپنے رب کے پاس اس حال میں گئے کہ انھوں نے اپنی ذمہ داریاں پوری طرح ادا کر دی تھیں۔ انھوں نے یہ ذمہ داریاں صرف زبانی تبلیغ کی حد تک ہی پوری نہ کی تھیں بلکہ انھوں نے اللہ کے پیغام کو اپنی زندگیوں میں عملی شکل دے کر لوگوں کو دکھایا اور وہ رات اور دن اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے ان مشکلات اور رکاوٹوں کو دور کرتے رہے جو اس پیغام کی راہ میں حائل تھیں۔ یہ مشکلات چاہے شبہات کی شکل میں تھیں جو لوگوں کے ذہنوں میں کھٹک رہے تھے یا گمراہی کی شکل میں تھیں جو لوگوں پر مسلط تھیں یا ایسی قوتوں کی شکل میں تھیں جو طاغوتی قوتیں تھیں اور جو لوگوں کو اس

دعوت پر کان دھرنے سے روکتی تھیں اور ان کے دین کیلئے فتنہ بنی ہوئی تھیں۔ خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی عملی زندگی میں اسلام کو پوری طرح نافذ کر کے دکھایا اس لیے کہ آپ آخری مبلغ تھے۔ آپ کی رسالت تمام رسالتوں کا اختتامیہ تھی' تو آپ نے محض زبانی تبلیغ پر اکتفاء نہ کیا۔ آپ نے تلوار اور قوت کے زور سے بھی ان مشکلات اور رکاوٹوں کو دور کیا۔ (آیت) "حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ" (۲: ۱۹۳) "تاکہ کوئی فتنہ نہ رہے اور دین صرف اللہ کے لیے ہو جائے"۔ "اب یہ بھاری ذمہ داری آپ کے بعد ان لوگوں پر آپڑتی ہے جو آپ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں۔ زمانے گزر گئے' نسلوں کی نسلیں گزر گئیں اور گزرتی رہیں گی۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد تبلیغ کا سلسلہ آپ کی متبعین کی ذمہ داری میں آگیا ہے اور ان کے لیے اس مشکل اور بھاری ذمہ داری سے بری الذمہ ہونے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ انھوں نے لوگوں پر حجت قائم کرنی ہے۔ انھوں نے لوگوں کو دنیا کی بدبختی اور آخرت کی ناکامی سے بچانا ہے۔ یہ فریضہ اور یہ ذمہ داری صرف تبلیغ کرنے سے ہی ادا کی جاسکتی ہے۔ اور یہ اسی منہاج پر ادا ہو سکتی ہے جس پر اسے رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ادا فرمایا۔ اس لیے کہ رسالت وہی ہے اور اہل ایمان پر وہی ہیں۔ گمراہیاں' خواہشات نفسانیہ اور شبہات اور اعتراضات بھی وہی ہیں وہ طاغوتی قوتیں بھی اسی طرح موجود ہیں جو لوگوں تک دعوت اسلامی کے پہنچنے کی راہ میں حائل ہیں۔ یہ قوتیں مسلمانوں کو ان کے دین کے بارے میں فتنے میں ڈال رہی ہیں اور قوت کے بل بوتے پر ان کو گمراہی کر رہی ہیں۔ وہی موقف ہے جو تھا' وہی مشکلات ہیں جو تھیں۔ لوگ بھی وہی ہیں جو تھے۔

دعوت اسلامی وہ فریضہ ہے جس سے ہم روگردانی اور انکار نہیں کر سکتے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم تبلیغ کریں' یہ بہت ضروری ہے کہ ہم یہ فریضہ ادا کریں۔ تحریر و تقریر سے تبلیغ کریں۔ اپنے عمل سے تبلیغ کریں تاکہ مبلغین اپنے عمل اور کردار کی وجہ سے چلتی پھرتی تبلیغ ہوں اور تبلیغ اور دعوت کی راہ میں جو رکاوٹیں حائل ہوں ان کو دور کرنے کی کوشش کریں کہ یہ بھی تبلیغ ہی کی ایک صورت ہو گی جو لوگ فتنے میں پھنسے ہوئے ہوں انھیں رہائی دلائیں۔ اگر یہ کام نہ کیا گیا تو کوئی تبلیغ نہ ہو گی اور نہ ادائیگی فرض ہو گی اور نہ لوگوں پر اللہ کی حجت تمام ہو گی۔

یہ ذمہ داریاں اٹھانے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے ورنہ اس کے بھاری نتائج برآمد ہوں گے۔ تمام دنیا گمراہی میں مبتلا ہو گی وہ اس دنیا میں بدبختی کا شکار ہو گی اور آخرت میں اس کے خلاف اللہ کے ہاں حجت نہ ہو گی اور ان کے ہاتھ حجت آجائے گی۔ اگر امت یہ ذمہ داری ادا نہ کرے گی تو اس کی وجہ سے لوگ نجات نہ پائیں گے۔

کون ہے جو اس بوجھ کو ہلکا سمجھے گا؟ یہ کمر توڑ بوجھ ہے' اس سے جسم کا ہر جوڑ اور ہر عضو کانپ رہا ہے جو شخص بھی یہ دعوی کرتا ہے کہ وہ "مسلم" ہے یا تو وہ اس فریضے کو ادا کرے گا اور دعوت دین کا کام کرے گا ورنہ خود اس دنیا اور آخرت میں اس کیلئے فلاح ممکن نہیں ہے۔ جب وہ یہ دعوی کرتا ہے کہ وہ مسلم ہے اور پھر دعوت دین کا کام نہیں کرتا اور اپنا فرض ادا نہیں کرتا' ان تمام طریقوں کے مطابق جو دعوت دیں اور ادائیگی فرض کیلئے مسنون ہیں تو وہ گویا اس اسلام کے خلاف شہادت دے رہا ہے جس کا اس نے دعوی کیا ہے۔ اس کی شہادت اسلام کے حق میں نہیں ہے بلکہ اسلام کے خلاف ہے حالانکہ اسے اس لیے اٹھایا گیا ہے کہ وہ اسلام کے حق شہادت دے۔

(آیت) "وکذلک جعلنکم امۃ وسطا لتکونوا شھدآء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا" (۲ : ۱۴۲) اور اسی طرح ہم نے تم مسلمانوں کو امت وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو (تفصیلات کیلئے دیکھئے مولانا سید ابوالاعلی مودودی کی کتاب شھادت حق ((سید قطب

شہادت حق اور اسلام کے حق میں شہادت کا آغاز یوں ہوگا کہ ایک مسلمان بذاتہ پھر اس کا گھر اور خاندان' پھر اس کی قوم اور اس کے رشتہ دار اس دین کا عملی نمونہ ہوں جس کی وہ دنیا کی دعوت دے رہا ہے۔ اس کے بعد اس کی یہ شہادت ایک قدم اور آگے بڑھے اور ایک ایسی امت پیدا ہو جسے امت دعوت کہا جاسکے۔ وہ اپنے گھر' خاندان' اور رشتہ داری کے حدود میں اسلام اور دعوت اسلامی کو عملی شکل میں پیش کرنے کے بعد شخصی معاملات اور ملک کے سیاسی معاملات کے اندر بھی اس دعوت کے قیام کی ذمہ داری لے۔ اس کے بعد وہ ایسی شہادت دے کہ ان رکاوٹوں کو دور کردے جو اسلام کی راہ میں حائل ہیں' جو لوگوں کو گمراہ کر رہی ہیں اور اس دعوت کے حوالے سے ان کو فتنے میں ڈال رہی ہیں۔ چاہے یہ رکاوٹیں جس قسم کی بھی ہوں۔ اگر کسی مسلمان نے اس مفہوم میں شہادت دی تو پھر وہ صحیح معنوں میں شاہد بھی ہوگا اور شہید بھی ہوگا۔ وہ گواہی دے کر اپنے رب کے پاس پہنچ جائے گا۔ یہ ہے وہ حقیقی شہید۔

سب سے آخر میں ہم دست بستہ اللہ کے حضور اس کی درگاہ عظمت و جلالت میں کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ درگاہ درگاہ عدل ہے اور گہرے علم پر مبنی ہے۔ اس درگاہ میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت سایہ فگن ہوتے ہیں اور اس میں ہر کسی کے ساتھ رعایت اور احسان ہوتا ہے اور یہ سب کچھ اس حضرت انسان کے ساتھ ہوتا ہے جو کبھی منکر حق کے روپ میں آتا ہے اور کبھی سخت نافرمانی کرتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت انسان کو اللہ تعالیٰ نے زیور علم سے آراستہ کیا ہے اور اس کی ذات کے اندر بے پناہ قوتیں ودیعت کی ہیں۔ اس کی ذات میں ہدایت اور ضلالت دونوں کی استعداد پیدا کی ہے۔ اگر اس علم کو عقل کے تابع نہ کیا جائے تو اس کے نتائج کیا نکلتے ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم کا ایک عظیم ہتھیار دیا ہے اور یہ کہ انسان کے انفس اور اس کے آفاق میں ہدایت اور قبول ایمان کے بیشمار دلائل موجود ہیں۔ اللہ کو علم تھا کہ انسان کے پاس علم کا جو عظیم ہتھیار ہے اس کے مقابلے میں انسان کے اندر قوت شہوانیہ اور حیوانیہ بھی موجود ہے۔ اور یہ عین ممکن ہے کہ انفس و آفاق کے اندر جو کثیر التعداد دلائل و شواہد پائے جاتے ہیں انھیں انسان کی خواہشات نفسانیہ دبالیں اور اس کی کوتاہیاں اور اس کی جہالت انھیں اس کی نظروں سے اوجھل کردیں۔ انسان کیلئے ان دلائل پر تب ہی غور و فکر کرنا ممکن ہوگا جب اس کے پاس رسول بھیجے جائیں اور اسے بار بار یاددہانی کرائی جائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے بیان کے بعد بھی انسان کے ذمے یہ بات نہیں ڈالی کہ وہ اپنے لیے کوئی نظام زندگی بنائے بلکہ اسے نظام زندگی بنا کر دیا اور اس کا فرض یہ قرار دیا کہ وہ اس نظام کو دنیا میں نافذ کرے۔ اس کے بعد اسے پھر اس دنیا میں آزاد چھوڑ دیا۔ ان حدود و قیود کے بعد بھی اس کیلئے اس عظیم مملکت میں ایک وسیع دائرہ کار رہ گیا۔ اسے اجازت دی گئی کہ وہ اس میں جو چاہے نئی نئی

ایجادات کرے۔ جو تغیرات چاہے کرے اور جو ترکیبات چاہے کرے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کیلئے جس طرح اس پوری کائنات کو مسخر کیا ہے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائے اس میں یہ انسان کبھی درست فیصلے کرے گا اور کبھی غلط کبھی وہ پھسلے گا اور کبھی صراط مستقیم پر رواہ دواں ہو گا۔

یہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ اللہ کے ہاں انصاف کی کیا اہمیت ہے جسے اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اگر رسول نہ بھیجے جاتے تو لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے خلاف ایک حجت ہوتی۔ لیکن اللہ نے رسول بھیجے جو لوگوں کو خوشخبری دیتے تھے اور انجام بد سے ڈراتے تھے۔ حالانکہ اس کائنات میں اللہ کی ذات پر ایمان لانے کے تکوینی دلائل موجود تھے اور یہ کائنات سب کے سامنے کتاب مفتوح تھی۔ نیز نفس انسنای بھی ایک کھلی کتاب کے طور پر انسان کے سامنے موجود تھا۔ جس کے اندر کردگار کے وجود پر بیشمار دلائل تھے۔

جن سے اللہ کی وحدانیت کو اچھی طرح معلوم کیا جاسکتا تھا۔ جن سے اللہ کی تقدیر' اللہ کی تدبیر' اللہ کی قدرت اور اس کے علم کے بارے میں اچھی طرح معلوم ہو سکتا تھا۔ نیز فطرت انسانی کے اندر بھی ایک قوی اور حقیقی داعیہ موجود ہوتا ہے جس سے انسان کو اس کائنات کے خالق تک رسائی کا ایک نہایت پختہ شوق ملتا ہے اور اسے یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا کوئی خالق ضرور ہے پھر اس فطرت اور دلائل کونیہ کے درمیان ایک قسم کی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق اور مدیر موجود ہے پھر اللہ تعالیٰ نیانسان کو عقل عطافرمائی تھی جو مشاہدات کے ذریعے نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ انسان کی ان تمام قوتوں پر ضعف طاری ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی یہ قوتیں معطل ہو جاتی ہیں' کبھی یوں ہوتا ہے کہ بعض اثرات ان قوتوں کو بگاڑ دیتے ہیں۔ کبھی تو ان عقلی قوتوں کو مٹا دیا جاتا ہے۔ کبھی عقل کے فیصلوں میں غلطی واقعہ ہوتی ہے اور عقل پریشان ہو جاتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس ڈیوٹی سے معاف کر دیا کہ وہ اس کائنات کے دلائل و شواہد ہی سے راہ ہدایت حاصل کریں یا محض فطری دلائل سے اپنی عقل کے بل بوتے پر راہ حق پائیں' جب تک ان کے پاس کوئی رسول نہیں آ جاتا تاکہ یہ رسالت انسان کی ان تمام خوبیوں اور قوتوں کو ان تمام آلودگیوں سے پاک کر دے اور ان عقلی قوتوں کو ان ضوابط کے اندر لے آئے جو اللہ رسالت نے بھیجے۔ انسان کی یہ تمام فطری قوتیں جب اسلامی منہاج فکر کے اندر منضبط ہو جاتی ہیں تو ان قوتوں کے ذمے اب صرف یہ فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ وہ اس رسالت کا اقرار کریں اور اللہ کی بندگی کریں اور رسول کا اتباع کریں۔ یا اگر وہ انکار کر دیں تو پھر ان پر حجت تمام ہو جائے اور قیامت کے دن سزا کی مستوجب ہو جائیں۔

پھر ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر مہربان ہے۔ وہ ان کی کس قدر دیکھ بھال کرتا ہے اور ان کو اپنے فضل و کرم سے نوازتا ہے ان کو کس قدر مکرم اور مختار بناتا ہے۔ اس کے باوجود کہ اسے علم ہے کہ انسان خطا اور نقص کا پتلا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ پھر بھی اس جہان کو اس کے حوالے کر دیتا ہے۔ اسے خلیفہ فی الارض بناتا ہے۔ حالانکہ یہ کائنات اس کی نسبت سے بہت ہی بڑی ہے۔ اور اللہ تو بے نیاز ہے کہ اگر ایک ذرہ بھی اس کی اس عظیم کائنات میں ہے تو وہ ضائع نہیں ہو سکتا۔

اللہ کی رحمت' اس کا فضل' اس کا احسان اور اس کی نظر کرم انسان کو محض اس کی فطرت اور اس کی عقل کے حوالے ہی نہیں کرتی' اس لیے کہ فطرت کبھی بگڑ جاتی ہے' عقل کبھی دب جاتی ہے اور گمراہ ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اللہ اپنے فضل و کرم سے رسولوں کا ایک طویل سلسلہ شروع فرماتے ہیں۔ لیکن یہ حضرت انسان ان کی بھی تکذیب کرتا ہے اور ان کے ساتھ دشمنی پر اتر آتا ہے۔ گمراہ ہوتا ہے اور رسولوں سے دوری اختیار کرتا ہے۔ لیکن پھر بھی اللہ اس کو اس کی ان عظیم غلطیوں اور کوتاہیوں پر نہیں پکڑتے اور اللہ تعالیٰ اپنی داد و دہش اور بر و احسان جاری رکھتے ہیں۔ رسولوں کے ذریعے حجت تمام کر کے اللہ تعالیٰ اپنا احسان بند نہیں کرتے۔ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ اسے اس وقت سزا دیتے ہیں جب اس کے رسول اچھی طرح ان تک پیغام پہنچا دیتے ہیں پھر وہ اعراض کرتا ہے' کفر کرتا ہے' کافر مرتا ہے اور بروقت توبہ نہیں کرتا رجوع نہیں کرتا

۔

عجب زمانہ ہے کہ یہ انسان اب یہ زعم کرنے لگا ہے کہ اسے رب کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اپنے آپ کو اللہ کے فضل و کرم' اور اس کی رحم و احسان سے مستغنی سمجھتا ہے۔ وہ اللہ کی ہدایت' اس کے نظام زندگی اور اس کی راہنمائی سے بے نیاز ہو گیا ہے۔ وہ اس قوت کے بل بوتے پر بے نیاز ہو گیا ہے جس کے بارے میں اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ اس قوت کے بل بوتے پر وہ راہ ہدایت نہیں پا سکتا۔ جب تک یہ قوت (عقل) الٰہی منہاج فکر سے مسلح نہ ہو جائے۔ اللہ نے تو اسے سزا دینے کا فیصلہ تب کیا ہے کہ رسول آئیں اور تبلیغ کریں اور وہ ان کا انکار کرے۔ اللہ کے نزدیک تو عقل کی مثال اس بچے کی سی ہے جو اپنے اندر قدرے قوت محسوس کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ اس کا نگران اسے اس کی مرضی پر چھوڑ دے اور ہاتھ کھینچ لے تاکہ وہ خود کفیل ہو کر چلے۔ مگر جونہی نگران ہاتھ اٹھاتا ہے بچہ گر جاتا ہے۔ اس خود سر انسان سے تو یہ بچہ زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ وہ فطرت کے داعی کو لبیک کہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اسے سہارا دینے والا ہاتھ ہٹ جائے اور وہ خود اپنی قوتوں کے بل بوتے پر چلے۔ یقیناً یہ بچہ اس گمراہ عقلمند سے زیادہ صحیح راہ پر ہے۔ یہ اپنی پوشیدہ قوتوں کو کام میں لاتا ہے۔ وہ اپنی ان قوتوں کو بڑھاتا ہے۔ جو بڑھ سکتی ہیں ۔ وہ اپنے اعصاب کو مشق کراتا ہے تاکہ وہ اس مشق سے قوت حاصل کرے۔ لیکن آج کا انسان جو دست قدرت سے اپنے آپ کو چھڑاتا ہے۔ جو اللہ کی راہنمائی سے منہ موڑتا ہے' اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ اس کے وجود کے اندر ودیعت کردہ تمام قوتیں (جو قوتیں اس کے اندر دست قدرت نے رکھی ہیں) اسے اللہ کی دستگیری سے مستغنی اور بے نیاز نہیں کر سکتیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان قوتوں کے باوجود اسے ربانی ہدایت کی ضرورت ہے۔ مختصراً یہ کہ انسان کی تمام قوتیں رسالت کی مدد سے مضبوط ہوتی ہیں اسی سے وہ راہ مستقیم اور راہ ہدایت پاتی ہیں لیکن اگر انسان رسالت الٰہیہ سے بے نیاز ہو جائے اور اس کی ہدایت سے منہ موڑے تو اس کی یہ قوتیں گمراہ ہو جاتی ہیں' ان کے اندر خلل واقع ہو جاتا ہے اور وہ اضطراب کا شکار ہو جاتی ہیں۔

اگر ہم اسے فریب کاری اور مغالطہ انگیزی نہ کہیں تو یہ امر غلطی اور گمراہی ضرور ہے کہ انسان یہ سوچنے لگے کہ بڑے دماغ بغیر تبلیغ اور رسالت کے بھی ان نتائج تک پہنچ سکتے ہیں جن تک رسالت کی راہنمائی میں پہنچا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسالت کی تعلیمات سے عقل ایک منضبط

انداز اختیار کر لیتی ہے۔ اس کا نقطہ نظر صحیح ہوتا ہے۔ اس کے بعد اگر جزئیات مسائل کے اطلاق وانطباق میں وہ غلطی کرتی ہے تو اس کی غلطی اس طرح ہو گی جس طرح وہ گھڑی غلطی کرتی ہے جسے ملایا نہ گیا ہو' اس کے بعد عقل اپنے ماحول اور ماحول کے اندر جمائے جانے والے موثرات سے متاثر ہوتی ہے۔ نیز اس کے کل پرزے بھی ماحول سے متاثر ہوتے ہیں لیکن اس غلطی کی تصحیح ممکن ہے۔ ہاں جس گھڑی کو صحیح ٹائم کے ساتھ ملایا ہی نہ گیا ہو تو وہ وہی ٹائم بتائے گی جس پر اس کی سوئیاں برابر ہو گئیں۔ وہ منضبط نہ ہوں گی۔

سوال یہ ہے کہ آخر اس پر کیا دلیل ہے کہ عقل رسالت کی راہنمائی کے بغیر حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی؟ اس کا جواب انسانی تاریخ دیتی ہے اس لیے کہ پوری انسانی تاریخ میں کوئی ایک عقلمند آدمی بھی نہیں ملتا جو اس مقام ہدایت تک پہنچ گیا ہو جہاں رسالت کی راہنمائی میں ایک اوسط درجے کا عقلمند آدمی پہنچتا ہے۔ نہ اعتقادی نظریات و تصورات کے میدان میں اور نہ ہی اخلاقی نفسیات کے میدان میں اور نہ ہی موزوں نظام حیات کی تشکیل کے میدان میں اور نہ ہی قانون سازی کے میدان میں۔

افلاطون اور ارسطو کے دماغ در حقیقت مسلم طور پر بڑے دماغ تھے۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ ارسطو پوری انسانی تاریخ میں ایک عظیم دماغ کا مالک تھا۔ لیکن وہ اللہ کی رسالت اور ہدایت سے محروم تھا۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے خدائی کی جو تعریف کرتا ہے' جس طرح اس نے خود یہ تعریف کی ہے تو اس کے تصور الٰہیہ اور ایک عام آدمی کے تصور الہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے جو رسالت پر ایمان رکھتا ہے اور کسی نبی کا ماننے والا ہے۔

مصر قدیم میں اخناتون ایک ایسا فلسفی ہے جو عقیدہ توحید تک پہنچا ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور حضرت یوسف (علیہ السلام) کے عقیدے توحید سے متاثر نہیں ہوا تو بھی اس کے عقیدہ توحید اور ایک عام مسلمان کے عقیدہ توحید کے اندر زمین و آسمان کا فرق ہے اخناتون کے عقیدہ توحید کے اندر بڑے بڑے خلا ہیں اور ان کو قصوں اور کہانیوں سے بھرا گیا ہے۔ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پروردہ عام لوگوں کے اندر ایسے لوگ پائے جاتے ہیں کہ ان کے تصور الٰہیہ تک انسانی تاریخ کے بڑے بڑے فلسفی نہیں پہنچ سکے۔ خصوصا وہ فلسفی جن تک کوئی آسمانی رسالت نہیں پہنچی۔

زندگی کے ابتدائی تصورات زندگی کے اصولوں' اس کی تنظیم' اور اس کیلئے قانون سازی کے میدان میں بھی ہمیں کوئی انسانی نظام نہیں ملتا جس کے اندر اس قدر ہم آہنگی توازن' بلندی اور ترقی پائی جاتی ہے جس قدر اسلامی نظام زندگی میں پائی جاتی ہے۔ اسلامی نظام زندگی نے تاریخ میں جب بھی کوئی معاشرہ پیدا کیا ہے اس کی مثال پوری تاریخ انسانی کے اندر نہیں ملتی اور نہ آئندہ آسلامی نظام کے نفاظ کے سوا کوئی اور نظام ایسا معاشرہ وجود میں لا سکتا ہے۔ غرض اسلامی نظام اس قدر متوازن' اس قدر ہم آہنگ اور زندگی کیلئے اس قدر سہل اور قابل عمل ہے جس کی مثال کسی اور نظام میں نہیں ہے۔

کسی نظام قانون کا تجزیہ صرف اس کی ترقیات اور خصوصا مادی ترقیات کو دیکھ کر نہیں کیا جاتا اس لیے کہ مادی ترقیات تو سائنس اور علم کی ترقی پر موقوف ہوتی ہے۔ جس قدر یہ مادی علوم ترقی کریں گے اسی قدر مادی ترقیات سامنے آئیں گی اس لیے کہ مادی ترقیات کا دارومدار مادی وسائل پر ہے۔ لیکن قافلہ حیات کے کسی موڑ پر اسے جو توازن اور زندگی کے تمام اجزاء کے اندر مکمل ہم آہنگی زندگی کے ساز وسامان اور اس کے اوضاع واطوار کے اندر ہم آہنگی اور اس ہم آہنگی کے نتیجے میں پیدا ہونے والا سکون واطمینان جس کے اندر تمام انسانی قوتوں کو مکمل آزادی ہو اور وہ ہر پہلو سے پوری آزادی اور سکون کے ساتھ کام کر سکیں یہ معیار صرف اس مختصر عرصے میں حاصل ہوا جو اسلامی نظام زندگی نے اس دنیا میں ایک رسالت کی تعلیمات کے زیر اثر عملاً دکھایا۔ اسلامی رسالت کی روشنی کے بغیر دنیا کی طویل تاریخ میں کوئی معاشرہ یہ معیار پیش نہیں کر سکا' انسانی تاریخ کے کسی بھی دور میں۔ زندگی کے اندر افراتفری اور اس کے اندر ہمہ گیر عدم توازن ہمیشہ ان تمام نظاموں کی خصوصیت رہی ہے جو اسلام کے سائے سے دور رہے ہیں۔ اگرچہ ان معاشروں کے بعض پہلو نہایت ہی چمکدار نظر آئیں' اگرچہ ان معاشروں کے بعض پہلو ظاہر اور نمایاں نظر آئیں۔ یہ درست ہے کہ جاہلی معاشروں کے بعض پہلو چمکدار ہوتے ہیں اور روشن نظر آتے ہیں لیکن بعض دوسرے پہلو نہایت ہی تاریک اور گم شدہ ہوتے ہیں اور بعض پہلو' بعض دوسرے نہایت ہی اہم پہلوؤں کے تنزل کی قیمت پر ترقی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن انسانیت کی کشتی ان نظاموں میں ڈانواڈول رہتی ہے' حیران رہتی ہے اور آخر کار بدنصیبی کا شکار ہوتی ہے اور غرق ہو جاتی ہے۔

یہاں آکر مناسب ہے کہ ہم رک جائیں۔ ظلال القرآن کی مناسب سے اس آیت پر اسی قدر کہنا کافی ہے۔ اور اللہ کا یہ فرمان (رسلا مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل" (۴: ۱۶۵)

" یہ سارے رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے تاکہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہے نہایت واضح ہے اور اس آیت میں نہایت گہری اور قوی ہدایات اور اشارات ہیں۔